غیر مسلم معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل اور ان کا حل - ایک جائزہ

عبدالرؤف ظفر*

انسانی تعلقات کا مسئلہ سماج کا سب سے اہم اور نازک ترین مسئلہ ہے اس کی اہمیت اور نزاکت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کہ سماج میں مختلف افکار ونظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے ساتھ ساتھ رہتے ہوں ان کا طرزِ حیات اور ان کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے الگ ہو۔ اس صورت حال میں ظلم وزیادتی، حق تلفی اور ناانصافی کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ عدل وانصاف اور حقوق کی ادائیگی میں فکری تعصبات، ذاتی مفادات، قومی رجحانات اور سماجی مسائل رکاوٹ بننے لگتے ہیں۔

اس وقت غیر مسلم معاشروں میں بسنے والی مسلم اقلیت، جو کہ امت مسلمہ ایک تہائی ہے کا واسطہ دو قسم کے معاشروں سے ہے۔

۱۔ جمہوری معاشرے

جمہوری معاشروں میں کسی حد تک مسلمانوں کو بنیادی حقوق حاصل ہیں انہیں جان و مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اس کے علاوہ کسی حد تک عقیدہ وعبادت کی آزادی بھی میسر ہے۔ وہ نماز اور روزے کی ادائیگی، مساجد کی تعمیر، ان کی آبادکاری دینی اور دنیاوی تعلیم کے حصول کا حق رکھتے ہیں۔ نیز دعوت وتبلیغ کا کام بھی کر سکتے ہیں۔

۲۔ غیر جمہوری معاشرے

غیر جمہوری معاشروں میں وہ بنیادی حقوق سے محروم ہیں انہیں اپنے دین وایمان کو بچانا بھی دشوار ہو رہا ہے ان ممالک میں وہ اپنے وجود کی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

اس وقت دنیا کے ۹۰ غیر مسلم ممالک میں اقلیت کی صورت میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد ۳۵۰ ملین بتائی گئی ہے۔ جو دنیا کے تمام مسلمانوں کا ایک چوتھائی حصہ ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایشیا میں آباد ہے چنانچہ صرف ہندوستان میں ۱۲۰ ملین مسلمان آباد ہیں جو تمام مسلم اقلیات کا ایک تہائی ہیں۔ عصر حاضر میں جس تہذیبی

---

* ڈائریکٹر، سیرت چیئر۔ اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، پاکستان

تصادم کا آغاز ہوا ہے اس کے نتیجے میں ہر تہذیب دوسری پر غلبہ کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس تہذیبی تصادم میں مسلم تہذیب اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہی ہے۔ خصوصاً 9/11 کے واقعہ کے بعد حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ اس پس منظر میں غیر مسلم معاشرے میں مقیم مسلمانوں کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ مسائل کا یہ موضوع اس قدر طویل ہے کہ ایک ضخیم کتاب کا متقاضی ہے۔ تاہم اس مقالہ میں چند اہم مسائل کی نشاندہی کے علاوہ ان مسائل کے حل کے لئے جو تھوڑی بہت کوششیں عمل میں آئی ہیں ان کا تذکرہ بھی مقصود ہے۔

ریاستی جبر کے مسائل

برصغیر میں پائی جانے والی مسلم اقلیات کی مشکلات اور مسائل کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ اپنے دین اور تشخص کی محافظت کی جنگ کئی سو سال سے لڑتے ہوئی ہر چیز کی قربانی دے رہے ہیں۔ خصوصاً ان دنوں ہندوستان کے مسلمانوں پر ہندو ذہنیت نے عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ ان کی مساجد گرائی جا رہی ہیں۔ مختلف حیلوں اور بہانوں سے ان پر دینی حوالے سے پابندیاں لگائی جا رہی ہیں۔ اس میں وہاں کی حکومتیں بھی برابر شریک ہیں۔

کشمیر کا مسئلہ اس وقت نہ صرف برصغیر بلکہ ساری دنیا کی توجہ اپنی جانب مبذول کروا چکا ہے۔ اس مسئلہ کا حل کچھ عرصہ قبل آسان تھا۔ ہندوستانی حکومت کی ضد، ہٹ دھرمی اور ظلم و استبداد کی فطرت نے اس کو مزید الجھا دیا۔ صورتحال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب تک ہزاروں کشمیری مسلمان اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں اور جو بھارتی فوج یا پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوجاتے ہیں وہ جیتے جی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ ان کو انسانیت سوز عذاب سے دو چار کیا جاتا ہے۔ ہزاروں مسلم خواتین اس معاملے میں اپنی عزتوں سے محروم کر دی گئیں اور لاکھوں مسلم بچوں کو یتیم بنا کر ان سے مستقبل کی روشنی چھین لی گئی۔

اس طرح چین کے علاقہ سنکیانگ میں مسلمانوں کی تعداد ۸۰ ملین سے زیادہ ہے مگر حکومت نے اس انداز میں ان پر پابندیاں لگائی ہیں کہ باقی اسلامی دنیا سے ان کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ بہت سے کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ مشرقی چین میں جس کو ہم ترکستان سے یاد کرتے ہیں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں، مگر قریب ہی میں حکومت نے اس علاقے مین ۲۰ ملین چینی افراد کولا بسایا ہے تاکہ یہاں بھی مسلمان اقلیت میں گنے جاسکیں۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ ملین سے زیادہ ہے مگر حکومت مختلف بہانوں سے ان پر دینی اور دنیاوی پابندیاں لگا کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ یہاں کی صورت حال مقبوضہ فلسطین سے ملتی جلتی ہو رہی ہے اس کی وجہ سے اس علاقے کو چینی فلسطین کے نام سے یاد کیا جارہا ہے۔

اسی طرح برما، سری لنکا، کمبوڈیا اور فلپائن میں بسنے والے مسلمان مختلف مسائل اور مشکلات کا شکار ہیں۔ برما مین

کیمونسٹ فوجی حکومت نے دو لاکھ سے زائد مسلمانوں کو پیشگی اطلاع کے بغیر ملک سے جبراً نکال باہر کیا، انہیں اچانک غیر ملکی قرار دے دیا گیا۔ سری لنکا میں تامل علیحدگی پسندوں نے کئی مسلم دیہات کو آبادیوں سمیت جلا کر راکھ کر دیا۔ ایک وقت میں سارے خاندان کے افراد کو ذبح کیا جاتا رہا۔ کمبوڈیا میں تو کیمونسٹ حکومت کے سپاہیوں نے سات لاکھ سے زائد مسلمانوں کو یوں ختم کر دیا کہ اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا۔

فلپائن میں مسلمان خود مختاری کے طالب ہیں۔ ان کے مصائب ومشکلات تو ظاہر ہے کہیں زیادہ ہیں۔ سابق صدر مارکوس کے دور میں ان پر انتہائی مظالم ڈھائے جاتے رہے، تقریباً پانچ لاکھ فوج ان کو ختم کرنے پر مامور تھی۔ ماہنامہ صراطِ مستقیم فلپائنی مسلمانوں کی حالتِ زار کے بارے میں لکھتا ہے کہ ''گذشتہ ہفتہ برطانوی ٹیلی ویژن کے چینل فور پر بتائی جانے والی کمنٹری ہے جو فلپائن کے مسلمانوں کی حالت زار پر بتائی گئی ہے۔ اس کے بتانے والے تمام انگریزی اور جو کچھ اس میں بتایا گیا کسی بھی صاحب شعور مسلمان کے لئے دیکھنا بھی ناممکن ہے۔ ڈاکومنٹری کے مطابق فلپائن کے ایک گاؤں میں آباد مسلمانوں کے گھروں پر مقامی فوج نے اس دہشت گردی کے خاتمے کے مقصد سے یلغار کر دی، اور آناً فاناً کئی ایک سیدھے سادھے معصوم بچوں، خواتین اور بوڑھوں کو بندوق کی گولیوں سے بھون ڈالا۔ ہنستے بستے گھروں کو ویران کر کے بھی ان کے ظلم کی پیاس نہیں بجھی تو ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا اور پھر ان شیطان صفت فوجیوں نے کتاب اللہ قرآن مجید کے پاکیزہ اوراق کی اس قدر بے حرمتی کی کہ قلم ان الفاظ کو لکھنے سے قاصر ہے'' (۱)

یورپ کے مختلف علاقوں میں آج تک وہی عیسائیت کا تعصب موت اور ہلاکت کا رقص کر رہا ہے جو ماضی میں اندلس سے مسلمانوں کا صفایا کرنے میں پیش پیش رہا۔ بوسنیا اور کروشیا کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں، انسانیت کے نگہبانوں نے ہی اس قدر تذلیل کی کہ شیطان بھی شرما گیا، تقریباً تین لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اتار دئے گئے اس سے قبل بلغاریہ میں بھی مسلمانوں پر قیامت ٹوٹی تھی جس کے نتیجے میں ایک لاکھ مسلمان ملک بدر کئے گئے۔

نومبر ۱۹۹۲ء کی ایک کے مطابق بلغاری حکومت مسلمانوں کی تعداد کو خفیہ رکھتی ہے اور جو تعداد ظاہر کی گئی ہے اس کے مطابق وہاں آٹھ لاکھ بیس ہزار مسلمان آباد ہیں جبکہ مسلمانوں کی حقیقی تعداد ۳ ملین سے زیادہ ہے۔

یورپ کے مختلف ممالک میں بسے ہوئے مسلمانوں کی کل تعداد ۱۲ ملین بنتی ہے۔ جو برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، اسپین، اٹلی اور یونان میں آباد ہیں۔ رفتہ رفتہ ان ملکوں میں بھی نازی ازم اپنا سر اٹھا رہا ہے اور نسلی تعصب سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ جس کی واضح مثالیں یوں ہیں، فرانس کی پارلیمنٹ نے تارکین وطن کو جن میں زیادہ تعداد

مسلمانوں کی ہے مزید شہریت دینے سے انکار کر دیا ہے (۲)

یہ مسلمان اقلیتیں لسانی اور وطنی لحاظ سے مختلف نسلوں اور قوموں پر مشتمل ہیں۔ ان میں کچھ ملک ایسے ہیں جن کے مسلمان باشندے اس ملک کے اصل اور قدیم باشندے ہیں۔ یہ ملک ایشیاء اور افریقہ کے ہیں۔ ان ملکوں میں سے کوریا اور جاپان میں اسلام موجودہ صدی میں بلکہ اس کے نصف میں پہنچا لیکن یہاں بھی مسلمان اقلیت کی اکثریت مقامی باشندوں پر مشتمل ہے۔ ایشیاء اور افریقہ کے ان ملکوں کے مسلم معاشرے کی اصل روحِ رواں غیر ملکی مسلمان نہیں بلکہ مقامی مسلمان ہیں۔ اگرچہ بعض علاقوں میں جیسے سنگاپور اور مشرقی افریقہ ہیں باہر کے مسلمان خاص طور پر برصغیر کے مسلمان بھی اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔

یورپ اور امریکہ کا معاملہ ایشیاء اور افریقہ سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں یوگوسلاویہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کو چھوڑ کر جہاں مسلم اقلیت مقامی باشندوں پر مشتمل ہے باقی تمام ملکوں میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت غیر ملکی آبادکاروں بلکہ نو آبادکاروں پر مشتمل ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں بھی اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت افریقی نژاد مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن دینی سرگرمیوں میں من حیث الجماعت غیر ملکی نو آبادکار زیادہ سرگرم ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے یہ غیر ملکی آبادکار اسی صدی کے شروع میں بلکہ نصف آخر میں بڑی تعداد میں تلاش روزگار اور تعلیم کے سلسلے میں آئے تھے اور پھر ان کا ایک حصہ مستقل طور پر یہاں بس گیا اور ایک حصہ ایسا ہے جس کے مستقبل کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جرمنی کے ترک، فرانس، اٹلی اور سپین کے مسلمان آبادکار اسی آخری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

غیر ملکی مسلمان اقلیتوں کا تقریباً نوے فیصد حصہ برصغیر پاکستان و ہند کے مسلمانوں، عربوں اور ترکوں پر مشتمل ہے۔ ان تمام اقلیتوں میں برصغیر کے مسلمان سب سے زیادہ فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کے بعد عرب اور ترک، پاکستان و ہند کے مسلمان حسب ذیل ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔

ہانگ کانگ، تھائی لینڈ، سنگاپور، برما، نیپال، سری لنکا، آسٹریلیا، فیجی، نیوزی لینڈ، کینیا، یوگنڈا، تنزانیہ، جنوبی افریقہ، زیمبیا، زمبابوے، برطانیہ، ہالینڈ، پرتگال، ڈنمارک، ناروے، سوئٹزرلینڈ، کینیڈا، ریاستہائے متحدہ امریکہ، بارباڈوس، گریناڈا، سرینام اور گویانا۔

ڈاکٹر کتانی نے جو خود مراکشی عرب ہیں، اپنی کتاب ''یورپ اور امریکہ کے مسلمان'' میں جگہ جگہ عربوں کی دینی بے حسی کا رونا رویا ہے۔ جرمنی کے عربوں نے مغربی طرزِ زندگی کو پوری طرح اپنا لیا ہے اور ان میں مذہب سے بے تعلقی اور ملحدانہ خیالات عام ہیں۔

ڈاکٹر کتانی لکھتے ہیں کہ ''فرانس میں اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمانوں کی دینی حالت خراب ہے۔ چند مدرسوں کے علاوہ کوئی دینی مدرسہ بھی نہیں اور مسجدیں بھی بہت کم ہیں۔ شمالی افریقہ کی حکومتیں بھی ان کے دینی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتیں''۔

پیورتوریکو کے عربوں کے بارے میں کتانی نے لکھا ہے: ''وہ مالی لحاظ سے خوش حال ہیں لیکن دینی لحاظ سے شمالی اور جنوبی امریکہ میں سب سے بری حالت ان ہی عربوں کی ہے۔ برازیل میں عرب مذہب سے بیگانہ ہیں اور دو لاکھ کی آبادی کے باوجود چار سے زیادہ مسجدیں نہیں اور دینی مدرسہ کوئی نہیں'' (۳)

کتانی مزید لکھتے ہیں کہ ''دو یا تین نسلوں سے یہ مسلمان عرب اسلام سے کس قدر بیگانہ ہوگئے ہیں کہ ان میں بعض اسلام کے بنیادی اصولوں تک سے ناواقف ہیں اور بسم اللہ تک درست نہیں پڑھ سکتے۔ شراب اور عورت مرد کا آزادانہ اختلاط مسلم معاشرے کو تباہ کر رہا ہے اور برازیلی لڑکیوں کے ساتھ شادی کی وجہ سے نئی نسل عیسائی ہوتی جارہی ہے۔ یہی حالت ارجنٹائن کے عربوں کی ہے جن کی تعداد تین لاکھ ہے'' (۴)

چلی کے بارے میں کتانی نے لکھا ہے کہ ''اس صدی کے آخر تک وہاں سے مسلمانوں کا وجود ختم ہو جائے۔ پیراگوئے میں عربوں میں نام کے علاوہ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پیرو میں شروع میں آنے والے عرب بہت اچھے مسلمان تھے۔ ان کی تبلیغ سے مقامی لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا لیکن اب نئی نسل تشویشناک حد تک مذہب سے بیگانہ ہے۔ فرانسیسی گویانا کے الجزائری مسلمانوں کا اسلام سے نام کے سوا کوئی تعلق نہیں رہا اور یہی حال نیو کیلیے ڈونیا کے الجزائری عربوں کا ہے جو اسلام سے دور ہوتے جارہے ہیں'' (۵)

عبرت کی بات یہ ہے کہ فرانسیسی گویانا اور نیو کیلیے ڈونیا کے عرب ان الجزائری اور مراکشی مجاہدوں کی اولاد ہیں جنہوں نے امیر عبدالقادر الجزائری اور امیر عبدالکریم کی قیادت میں فرانس سے برسوں جہاد کیا۔ ان جنگوں میں فرانس کے ہاتھ جو قیدی آئے ان کو فرانسیسی حکومت نے گویانا اور نیو کیلیے ڈونیا کے دور دراز حصوں میں اس طرح جلا وطن کر دیا تھا جس طرح برصغیر کے مسلمان مجاہدین اور علماء کو برطانوی حکومت جزائر انڈیمان میں جلا وطن کر دیتی تھی (۶)

کتانی نے افسوس کے ساتھ لکھا ہے: ''آج ان مجاہدین کی اولاد دین سے بیگانہ ہوتی چلی جارہی ہے۔ اسکے مقابلے میں انڈیمان کے ہندی الاصل مسلمان کتنے خوش قسمت ہیں کہ انہوں نے جلا وطنی کا تحفظ کیا اور مسجدیں اور مدرسے قائم کیئے۔'' (۷)

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عرب دوسرے ملکوں کے مقابلے میں اسلامی حیثیت سے بہت زیادہ فعال

ہیں لیکن ان کی دینی حالت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ادھایو کے چار سو بیس شراب خانوں میں سے ایک سو ستائیس عربوں کے ہیں۔ ڈاکٹر کتانی نے دین سے غفلت کا ذمہ عرب قوم پرستی کو قرار دیا ہے جس کی وجہ سے عرب قومی سرگرمیوں میں تو حصہ لیتے ہیں لیکن دینی سرگرمیوں سے دلچسپی نہیں رہی۔ برطانیہ، ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا میں اب عرب کچھ عرصہ سے برصغیر کے مسلمانوں کو دیکھ کر اور سعودی عرب رابطہ عالم اسلامی اور اس کے ملحقہ اداروں کی امداد اور تحریک سے دینی معاملات میں کافی سرگرم ہوگئے ہیں۔ امید ہے اکہ اس کا اثر یورپ اور جنوبی امریکہ کے عربوں پر بھی پڑے گا۔

ترک سب سے زیادہ تعداد میں حسب ذیل ملکوں میں ہیں۔ آسٹریلیا، بلغاریہ، رومانیہ، یونان، یوگوسلاویہ، فن لینڈ، ناروے، سویڈن، ڈنمارک، لکزم برگ، بیلجیم، جرمنی، کینیڈا، امریکہ۔

بلغاریہ، یونان اور رومانیہ کے ترک دینی حمیت رکھتے ہیں، لیکن اشترا کی حکومتوں کی جابرانہ پالیسیوں نے ان کو بے بس کر دیا ہے۔ یوگوسلاویہ میں ان کی حالت نسبتاً بہتر ہے۔ یونان کے ترک دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یونانی حکومت کی معاشی اور سیاسی پالیسیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں لیکن دینی معاملات میں ان کو مکمل آزادی ہے۔ ڈاکٹر کتانی نے ان کو یورپ میں سب سے منظّم مسلمان کہا ہے اور لکھا ہے: ''اگرچہ ان کو اسلامی دعوت وتبلیغ سے دلچسپی نہیں لیکن انہوں نے اپنے دین کی پوری حفاظت کی ہے۔ یورپ کے دوسرے حصوں میں خصوصاً آسٹریا، بیلجیم، ہالینڈ اور جرمنی میں جہاں وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ تعداد میں ہیں دینی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور انہوں نے کثرت سے مسجدیں اور دینی مدرسے قائم کر رکھے ہیں۔ اور درسِ قرآن کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ کینیڈا اور امریکہ میں بھی ترک بڑی تعداد میں آباد ہیں لیکن یہاں ان کی دینی سرگرمیاں جرمنی کی طرح وسیع نہیں لیکن ترکوں میں ملحد اور سیکولر عناصر بھی کافی قوی ہیں اور وہ دینی سرگرمیوں کے خلاف فضا تیار کرنے میں کافی مصروف ہیں۔'' (۸)

غیر مسلم معاشرہ میں مسلمانوں کے معاشرتی وعائلی مسائل

اگرچہ مسلمان یورپی ممالک میں وقتی طور پر کئے گئے تھے مگر اب اپنی دوسری اور تیسری نسل کے ظہور سے وہ ان معاشروں کا حصہ بن چکے ہیں کئی مغربی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے۔ لہٰذا ان مسلمانوں کو درپیش مسائل پر توجہ کرنا اور ان کا تجزیہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ ان سطور میں مغرب میں رہائش پذیر مسلم خاندانوں کو درپیش ایک اہم مسئلہ پرانی اور نئی نسل میں فکری وثقافتی رابطہ کی کمی ہے۔ یہاں پر غیر مسلم ممالک میں خاندانوں کو جن پریشانیوں کا سامنا ہے کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

ان درپیش مسائل میں سے کچھ غیر اسلامی اور اجنبی ماحول کی وجہ سے اور کچھ ان کے اقلیت ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور قدم قدم پر اکثریت کی توجہ، مہربانی اور خیر سگالی کے محتاج ہیں۔

یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں کو اگرچہ مکمل مذہبی آزادی ہے لیکن وہاں ان کو ایک ایسے معاشرے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو دینی زبان اور رسم و رواج سب میں ان سے مختلف ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک ترقی یافتہ معاشرہ ہے جو ترقی پزیر معاشروں پر اثر انداز تو ہوسکتا ہے لیکن خود بہت کم اثر قبول کرسکتا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں اس تہذیبی تصادم کے نتیجے میں جن مسائل اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان میں فوری نوعیت کے مسائل پر حسب ذیل ہیں:

۱۔ بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام۔
۲۔ مسجدوں کی تعمیر اور ان میں ایسے اماموں کا تقرر جو فتوی دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔
۳۔ عائلی قوانین یعنی نکاح، طلاق، میراث وغیرہ سے متعلق شخصی قوانین کا نفاذ۔
۴۔ جانوروں کو ذبح کرنے کا انتظام۔
۵۔ قبرستانوں کی فراہمی اور اسلامی طریقہ پر تکفین وتدفین کا انتظام۔
۶۔ مسیحی تبلیغی اداروں میں مسلمان طلبہ کا عیسائیت کی تعلیم سے استثناء اور دوسرے مدرسوں میں اسلامی تعلیم کا انتظام۔
۷۔ مسلمان لڑکیوں کے لئے مخلوط تعلیمی اداروں میں لازمی داخلے سے استثنا حاصل کرنا اور مسلمان لڑکیوں کے لئے ایسے لباس کی پابندی سے استثنا حاصل کرنا جو اسلامی شعائر کے مطابق ستر پوش نہ ہو۔
۸۔ مروجہ اور مقامی زبانوں میں زیادہ دینی کتب کی فراہمی اور ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا۔
۹۔ جمعہ کی نماز کے لئے دفتروں اور کارخانوں میں مسلمان ملازمین کو وقفہ دینا (۹)
۱۰۔ اسلامی تہواروں پر اختیاری تعطیلات کی اجازت۔
۱۱۔ آزادانہ اختلاط مرد و زن (۱۰)

آزادانہ اختلاطِ مرد و زن

سب سے پہلے ہم آزادانہ اختلاط مرد و زن پر تبصرہ کرتے ہیں۔ حکیم محمد سعید جرمن عورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پہلے معاشرے میں ان کا کوئی مقام نہیں تھا مگر جب عورت معاشی میدان میں آئی تو اسے برابر کے حقوق ملے۔ لیکن بے جا آزادی کے باعث اخلاقی قدریں پامال ہوگئیں۔

''انیسویں صدی کے آخر تک جرمنی میں بھی عورتوں کو اپنے معاشرے میں زیادہ بلند مقام حاصل نہیں تھا۔ یورپ کے بعض ملکوں اور خاص طور پر امریکہ کی عورتوں کے حالات کا مطالعہ کر کے انہیں بھی مرد کے دوش بدوش چلنے کا شوق چرایا اور وہ گھر کی چار دیواری سے باہر نکل آئیں۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس روش میں دوسری جنگ عظیم کے بعد بے تحاشا اضافہ ہوا ہے اور یہ راہ اختیار کرنے کے لئے انہیں حالات نے مجبور کر رکھا ہے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اقتصادی زندگی کے شیرازے کو مضبوط رکھنے کی خاطر جرمنی کو اخلاقی قدروں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا ہے''(۱۱)

مرد وزن کا آزادانہ اختلاط اخلاقی برائیوں کے بعد معاشرے کو جنسی بحران کا شکار کر دیتا ہے۔ مغرب میں اس رجحان کی پرواہ نہیں کی جاتی اگر چہ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرہ مکمل تباہی سے دوچار ہے جب کہ اسلام اس کا سنجیدگی سے نوٹس لیتا ہے اور معاشرے کو برائی سے پاک کرنے کے لئے اس کے اسباب ومحرکات پر ضرب لگاتا ہے اور کسی ایسی بات کو تہذیب کے مفہوم میں داخل نہیں ہونے دیتا، جو انسانی قدروں اور فطری تقاضوں کو مجروح کرتی ہو یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار کا تعین نہایت وضاحت سے کر دیا گیا ہے۔

سید مودودی لکھتے ہیں: اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دوائر عمل بڑی حد تک الگ کر دیئے گئے ہیں دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے اور ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نظم وضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغربی تمدن کے پیش نظر جو مقصد ہے اس کا طبعی اقتضاء یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو زندگی کے ایک ہی میدان میں کھینچ لایا جائے اور ان کے درمیان وہ تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں جو ان کے آزادانہ اختلاط اور معاملات میں مانع ہوں اور ان کو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے کے غیر محدود مواقع بہم پہنچائے جائیں(۱۲)

مغربی تہذیب کو جنسی آوارگی اور حرام کاری کی مضرتوں سے ہمکنار کرنے میں وہاں کے ''روشن خیال'' شاعروں اور ادیبوں کا بنیادی کردار ہے۔ اس سلسلے میں انگریز ماہر معاشیات مالتھس، جرمن سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے لیڈر Bebel ڈاکٹر Drysdale فرانسیسی لیڈر Raul Robin برطانوی فلسفی مِل، وغیرہ نے جنسی حدود سے تجاوز پر لوگوں کو اکسایا اور اپنے مؤقف کی تائید میں اخلاق سوز استدلال پیش کرتے ہوئے نکاح کو غیر ضروری اور غیر فطری جبکہ جنسی بے راہروی کو عین تقاضائے فطرت قرار دیا۔ اور رفتہ رفتہ اس رجحان نے مغربی معاشرے کو مکمل طور پر اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

عصر حاضر کا المیہ ہے کہ مغربی معاشروں کی اخلاقی بے راہروی کے زیر اثر مشرقی اور اسلامی معاشرے کے بگڑے ہوئے نوجوان لڑکے ایسی اخلاق باختہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں (مثلاً سیٹیاں بجانا آوازے کسنا بلکہ اغوا تک کر گزرنا وغیرہ) کہ باکردار لڑکیاں ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے گھروں سے باہر نکلنے سے کتراتی ہیں۔

اکبر۔ایس۔احمد، جنہوں نے اسلامی معاشرہ کا گہرا مطالعہ کرتے ہوئے تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اپنی تصنیف Discovering Islam میں لکھتے ہیں:

In Iran today a girl not dressed in a blank veil runs the risk of having stones or acid thrown at her. Many Pakistani girls recounted similar stories. Boys would walk alongside a girl wearing trousers and ark, "Why do women wear trousers?" and one of them would answer, "so that they can air their private parts". Being pinched on the buttocks or breasts is a common lazard in a Cairo or Karachi bazar. Humiliated, girls are nervous about leving the homes; it also creates ambiguity about their sex and role in society.(13)

اسلام اور افکار نو کا مؤلف لکھتا ہے ''مغرب میں عفت وعصمت کی حفاظت اور اسلام کی طرح خاندانی و عائلی نظام کو بگاڑ سے بچانے کا کوئی موزوں انتظام موجود نہیں ہے۔ اس لئے جنسی آزادی، آزادانہ میل جول، نکاحوں کی کمی، طلاقوں کی زیادتی اور نکاح کے بغیر عارضی ناجائز تعلقات کی کثرت کے باعث انسانیت پھر سے حیوانیت کی طرف واپس جارہی ہے۔''(۱۴)

مغربی معاشرے کی عبرت ناک حالت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں امن وسکون سرے سے مفقود ہو چکا ہے۔ مادی دولت کے انباروں کے باوجود لوگ منشیات اور خواب آور ادویات میں سکون تلاش کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں عریانی اور فحاشی ہوگی وہاں سکون کا گزر نہیں ہوسکتا۔

حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی لکھتے ہیں: ''لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ سویڈن میں خودکشی کی شرح پوری دنیا میں سب سے زیادہ اور وہاں ۷۰ فیصد عورتوں کو طلاق ہوجاتی ہے''(۱۵)

عصری ثقافت کو فروغ دینے کے لئے مختلف ممالک میں باقاعدہ تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں جو سرکاری سطح پر وزارت ثقافت کے تحت ثقافتی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔

جاپان کے ایک ثقافتی مرکز برائے یونیسکو نے ان ثقافتی تنظیموں کے بارے میں ۱۹۷۷ میں ایک ڈائریکٹری شائع کی تھی جسے updated شکل میں ۱۹۸۲ میں شائع کیا گیا۔ اس میں پاکستان سمیت ایشیاء اور بحرالکاہل کے ۲۲ ملکوں کی ۳۲۸ ثقافتی تنظیموں کی تفصیلات دی گئی ہیں جن کی سرگرمیوں کا دائرہ کار درج ذیل ہے:

The field of activities of the organizations/ institutions contained may be classified into the following categories:

a. Cultural promotion in general as in the case of ministries of culture, culture centres and culture foundations.

b. Fine art , crafts; photography.

c. Perfoming arts, including music , dance and theaterical play.

d. Communication, including radio and television broadcasting, production and utilization of audio-visual materials such as films, publishing and other areas of communication and information related to culture development and promotion.

e. Language, literature, history, culture study.

d. Preservation and presentation of culture heritage.(16)

مغربی تہذیب وثقافت مغربی معاشرے کی آئینہ دار ہے۔ مشرقی معاشروں خاص طور پر مسلم معاشرے میں اس کا اثر ونفوذ جہالت، مادہ پرستی اور احساس کمتری کے باعث بڑھتا ہے۔ عصری ثقافت کے خدوخال کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلامی اقدار وروایات اور تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض خود ساختہ اور خواہشِ نفس کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر خالد علوی کے بقول: ''یورپین قبائل کے مقامی رسم ورواج خالصتاً قومی اور توہماتی تھے جو مغرب کے معاشرتی مظاہر میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں کسی اعلیٰ اخلاقی قدر کی تلاش لاحاصل ہے۔ مظاہر فطرت کی پرستش اور شیطانی قوتوں سے توسل ان کے ہاں رائج تھا۔ موجود مغربی معاشرے میں بہت سی رسموں، میلوں اور تقریبات کا تعلق انہیں جاہلی تصورات سے ہے'' (۱۷)

یورپ میں جا کر آباد ہونے والے مسلم خاندانوں کو درپیش مسائل کو جاننے کے لئے ہم بعض ممالک کا ذکر کرتے ہیں مثلاً سوئٹزرلینڈ میں مسلمانوں کی کل تعداد تین لاکھ پچاسی ہزار ہے۔ جن میں سے ستر ہزار عرب ہیں۔ یہاں مسلمان خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ دوسری نسل مغربی معاشرے میں ضم ہو رہی ہے اور اپنی مادری زبان بولنے سے محروم ہے۔ یورپی طور طریقوں اور عادات کو اپنا رہی ہے۔ وہ شرعی پابندیوں کے بجائے ملکی قانون کے احترام کو ترجیح دیتی ہے۔ مسلم خاندانوں میں طلاق کی شرح ۴۰ فی صد ہے۔ ملک کے تعلیمی اور سماجی نیز ٹیلی ویژن کے اثرات بدنمایاں ہیں۔ جرمن سوئٹزرلینڈ کے ماتحت علاقوں میں علاقوں میں ۵۰ فی صد مسلم لڑکیاں بدچلنی کا شکار ہیں۔ بے بسی کا یہ عالم ہے کہ بلدیہ والے ان مسلم لاشوں کو جلا دیتے ہیں۔ جن کے ورثاء تدفین میں دلچسپی نہیں لیتے۔ کیونکہ جلانے کے اخراجات دفنانے سے کم ہیں۔ ۳ لاکھ پچاس ہزار مسلمانوں کے لئے صرف ۱۰۰ مساجد ہیں۔ تعلیمی ادارے بھی ضرورت سے بہت کم ہیں۔

اس کھلم کھلا آزادی کی دو دھاری تلوار مسلم خاندانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ مطلق آزادی کے منفی اثرات نے ٹیکنالوجی کی ساری ترقیوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ یہ آزادی پوری انسانیت کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ مطلق آزادی مغرب میں ہماری نژادنو کے تباہ کن خطرہ ہے۔

مغربی ممالک میں میں نقل مکانی کر کے آنے والے کئی مسلم خاندان آباد ہیں۔ عالم عرب سے آنے والے مسلم خاندانوں کا پہلا پڑاؤ ایتھنز رہا ہے۔ لبنان کی خانہ جنگی کے دوران اور پھر جنگ خلیج کے بعد یہاں کافی مسلمان آبسے ہیں۔ کئی مسلم نوجوانوں نے اپنے قیام کو یقینی بنانے اور کچھ نے گناہوں سے بچنے کی خاطر یونانی عورتوں سے شادیاں کر لیں مگر آئندہ نسل اخلاقی بگاڑ کا شکار ہوئی اور جرائم میں مبتلا ہوئی۔

اپنی پوری عمر ''مال و زر'' کے حصول میں کھپا دینے والے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت سے غفلت کے مرتکب لوگ اب اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ''میری بیٹی مسلمان مرد کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کرتی ہے'' بہت سے مسلم خاوند اپنی یونانی مسیحی بیویوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ نہیں کرتے۔ یونان میں اگرچہ نوجوانوں اور بچوں کی دینی تربیت کا کچھ کام ہو رہا ہے۔ مگر وہ انفرادی سطح پر ہے۔ ضرورت ہے کہ یہ کام وسیع پیمانے پر منظم طریقے سے کیا جائے۔

زمانہ حال کی وہ امت مسلمہ جو انڈونیشیاء کے جزائر سے لے کر افریقہ کے ساحلوں تک کشمیر کی برف پوش چوٹیوں سے فلسطین کے گلی کوچوں تک پھیلی ہوئی ہے تاریخ کے نہایت ہی نازک دور سے گزر رہی ہے۔ ایک ارب چالیس کروڑ کی آبادی کے مسلم ممالک نے ۱۹۷۴ میں ہونے والی OIC کانفرنس میں نیل کے ساحل سے لیکر

کاشغر کی خاک تک ایک لڑی پر دوئے دینے کے محض چند سال بعد دانہ دانہ ہو کر بکھر گئے۔ وہ اپنے مذہبی و معاشرتی اقدار کو کھو بیٹھے تو اقوام مغرب نے ان کی صنعت وتجارت اور مادی وسائل پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ جدید ٹیکنالوجی سے محروم عالم اسلام کے معاشی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کے زیر نگین بنانے کی کوششیں کی لیکن محاسن و اخلاق کے چشمے سوکھ گئے۔ عدل و انصاف کے علم کو اتار کر ظلم و جفا کا علم باندھ دیا گیا اور ظلم و بے حیائی کے چشمے رواں ہو گئے۔

انسانی آزادی کے سب سے بڑے علمبردار ملک امریکہ میں مسلمان سب سے زیادہ مصائب والم سے دوچار ہے۔ ۱۱ ستمبر کے حالات نے پوری دنیا کا نقشہ تبدیل کر دیا ہے۔

ان سطور میں دیکھتے ہیں کہ امریکہ میں مسلمان کن کن مصائب سے دوچار ہیں اور نائن الیون کے بعد اس میں کتنی شدت آئی ہے۔ امریکہ کی اس وقت کل آبادی ۲۶ کروڑ ہے۔ ۵۲ ریاستوں کے اس ملک میں ۷۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ جن میں ۸۰ فیصد سنی، ایک فیصد شیعہ اور انیس فیصد غالب اکثریت افریقی نسل آباد ہیں لوگون کی اکثریت وہاں معاشی اور تعلیمی مقاصد کے اعتبار سے مقیم ہے۔

امریکہ میں مسلمان سب سے پہلے ہسپانوی نو آبادی نیوپین کے وائسرے کی دعوت پر ۱۸۳۴ء میں مراکش سے آئے۔ نہر سویز کے بعد متعدد یمنی مسلمان امریکہ آئے۔ یوں مسلمانوں کی آمد ورفت شروع ہوئی اور لوگ امریکی شہریت اختیار کرتے گئے۔ اس وقت امریکہ میں مسلم آبادی یہودیوں کے بعد دوسری بڑی آبادی ہے۔

اس وقت امریکہ میں مسلمانوں کے ساتھ نہایت ہی ذلت آمیز اور توہین آمیز سلوک کیا جارہا ہے۔ اس معاشرہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک اب عام مسلمانوں تک ہی محدود نہ رکھا گیا بلکہ مقتدرہ ممتاز سرکاری شخصیت کے ہر طرح کے پروٹوکول کو نظر انداز کیا گیا اور ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک رکھا گیا۔ پاکستانی صدر کے مشیر اور ملائشیا کے وزیر اعظم کی ائر پورٹ پر ان کے جوتے اور موزے تک اتار کر تلاشی لی گئی۔

ماہنامہ صراط مستقیم نے پاکستانی افسران کی امریکہ میں جوتا تلاشی کے عنوان سے ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس میں امریکہ میں پاکستانی افسران کی تلاشی کے دوران ان کے جوتے بھی اتروا لئے گئے۔ واقعہ سے پاکستانی مسلمانوں کی غیر مسلمانوں کی غیر مسلم ممالک میں قدر و قیمت اور عزت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

امریکہ میں ہر مسلمان امریکی انتظامیہ کو القاعدہ کارکن، دہشت گرد اور امریکی دشمن نظر آنے لگا۔ رجسٹریشن کرانے کے ضمن میں طرح طرح کے مسائل دوچار کیا گیا۔

اس سے بڑھ کر اور توہین آمیز سلوک کیا ہوگا کہ جب رضیہ نامی پاکستانی طالبہ امریکہ میں ایک سٹال پر چند چیزیں خریدنے کے بعد رقم لینا بھول گئی تو کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی نے اس کو بلا کر وہ رقم دیتے ہوئے کہا کہ اپنی رقم لیتی

ہوئی جاؤ یہ ایٹم بم بنانے کے کام آ جائے گی تو پاکستانی طالبہ نے وہ رقم دوبارہ کاؤنٹر پر پھینکتے ہوئے کہا خود ہی رکھ لو عراق میں مسلمانوں پر بمباری کے کام آئے گی (۱۸)

اس قسم کے واقعات امریکہ کے لئے پکڑ دھکڑ کے ہیں جیسے پاکستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امریکہ کی ڈگری ہولڈر خاتون کو بچوں سمیت گرفتار کیا گیا اور آج تک اس کی کئی خبر نہیں۔(۱۹)

رجسٹریشن کے مسائل

امریکہ میں مسلمانوں کے لئے رجسٹریشن کے مسائل تو شروع سے ہی رہے ہیں مگر نائن الیون کے بعد امریکہ میں تعلیم مسلمانوں کی رجسٹریشن ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ ہر مسلمان کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس انداز سے ان کی تفتیش کی جاتی ہے کہ جیسے وہ امریکہ میں آئے ہی دہشتگردی کیلئے ہیں۔ رجسٹریشن قوانین کی زد میں آنے والے مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے جانا پڑا۔ جہاں میں جیل میں حرام گوشت کھانے کو دیا جاتا ہے۔ عدالتوں میں دھکے کھانے پڑتے ہیں ان کو کینیڈا کی سرحد کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے تو سردی کی راتوں میں انہیں میلوں پیدل چلنا پڑا۔ انہوں نے جیلوں میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت نہ ملی۔ پکڑے جانے پر مسلمانوں سے اس طرح سے سلوک کیا گیا جیسے WTC کا عملہ داخل ہوجاتا ہے اور خاندان والوں کو زدوکوب کیا گیا اور تفتیشی مراکز لے جایا گیا جب یہ صورتحال پیدا ہوگئی تو معاش اور تعلیم کے لئے گئے ہوئے مسلم رضا کارانہ طور پر امریکہ چھوڑنے لگے۔(۲۰)

تعلیمی مسائل

اس وقت مغربی ممالک میں مسلمانوں کو اپنے معاشرتی تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی نظریات کی بقاء کیلئے اور قرآن وحدیث کی ترویج کے سلسلہ میں بہت بڑے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا اور اسلام دشمن قوتیں اپنے موجودہ وسائل کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ ایسے حالات میں وہ مسلمان جو اپنی معاشی تنگ دستی کیوجہ سے ترک وطن کر کے یورپ میں آباد ہوئے اور اکثر غیر مناسب ماحول کی وجہ سے بے عملی اور بے راہ روی کا شکار ہوکر رہ گئے۔ مگر ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہیں اپنی نسل نو کو اسلام کے سنہری ضابطہِ حیات یعنی قرآن وسنت کی روشنی میں متعارف کرانے اور پرکشش غیر اسلامی ماحول سے محفوظ رکھنے کی تحریکی سطح پر اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔ خصوصاً برطانیہ میں جہاں توہین رسالت، فحاشی وعریانی اور تعلیمی اداروں میں اسلام دشمن پراپیگنڈہ اور عیسائیت کا پرچار حکومتی سرپرستی میں کیا جاتا ہے(۲۱)

اس وقت مسلم کمیونٹی کے لئے توجہ طلب تعلیمی مسائل ہیں۔ کیونکہ بعض ایسے عوامل ہیں جن پر حکومتی اداروں

کو توجہ دینی چاہئے تاکہ منفی رجحانات پروان نہ چڑھ سکیں اور ایشیائی نوجوانوں میں محرومی کا احساس نہ ہو، لیکن جو کام ہمارے کرنے کے ہیں ان میں اہم مسئلہ تعلیمی دلچسپی کا فقدان ہے عام طور پر ہمارے بچوں کی تعلیمی حالت بہت کمزور ہے بلکہ اس جانب والدین کا رجحان تک نہیں جس کا ثبوت سال گزشتہ کا تعلیمی نتیجہ ہے جس میں سب سے کمزور پاکستانی اور بنگلہ دیشی بچوں کی کارکردگی رہی اکثر لڑکے سیکنڈری اسکولوں سے نکلنے کے بعد کمزور نتیجہ کے سبب اعلیٰ تعلیم کی طرف جا نہیں سکتے اور صلاحیت کی کمی کے باعث انہیں کوئی مناسب کام نہیں ملتا۔(۲۲)

معاشی مسائل

مسلم آبادی امریکہ میں ایک بہتر معاش کے حصول کے مقیم پذیر ہے۔جس سے نہ صرف ان کے خاندان کی بہتر کفالت ہوتی ہے بلکہ اس سے حکومت کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ نائن الیون نے معاشی نقطہ نظر سے امریکی مسلمانوں کے لئے نت نئے معاشی مسائل کو جنم دیا ہے۔امریکی انتظامیہ نے موجودہ مسلم بنکوں پر یکم دسمبر ۲۰۰۱ سے پابندیاں عائد کر دی ہیں Banking کے قواعد وضوابط میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں کہ جن کے باعث امریکہ سے باہر خصوصاً مسلم ممالک کے رقومات کی ترسیل میں رکاوٹیں ڈالی گئیں ہیں۔اب وہ نہ تو امریکہ بنکوں سے رقم لے سکتے ہیں اور نہ ہی نقد ادائیگی کر سکیں گے۔انہیں غیر ملکی کرنسی لین دین کی اجازت نہیں ہے۔

اگر امریکہ میں موجود مسلم بنکوں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کی گئیں تو نہ صرف زیر کفالت خاندانوں بلکہ مسلم حکومتیں بھی مسائل سے دو چار ہوں گی (۲۳)

تہذیبی مسائل:

نسلی تفاوت

فکری وثقافتی رابطے سے مراد مسلم نسلوں اور خاص طور پر والدین کے مابین ایسا دینی ،فکری اور ثقافتی تعلق ہے۔جس کے ذریعے جدید نسل ، سابق نسل کے ورثے ، اسلامی اصولوں اور اخلاقی قدروں کی حامل بنے۔ یہ رابطہ ایک تہذیبی ضرورت ہے۔اس ایجابی رابطے کے بغیر کوئی بھی تہذیب اپنے اصولوں اور روایات کی حفاظت نہیں کر سکتی ہے نہ انہیں ترقی دے سکتی ہے۔مغربی ماحول میں بسنے والے مسلم خاندانوں میں اس رابطے کی شدید کمی ہے جس کی وجہ سے خطرہ ہے کہ ہماری جدید نسل اس مغربی ماحول میں ڈھل جائے جس کا مذہب اور اخلاق کے بارے میں اپنا مؤقف اختیار کرے گے۔ جہاں ''مطلق آزادی''، ''انفرادی ذمہ داری'' اور '' والدین کی حاکمیت کا خاتمہ'' جیسے نظریات کی حکمرانی ہے، جہاں اسلام کے بارے میں منفی رویہ پایا جاتا ہے۔مسلمانوں کی نئی نسل کی اکثریت کو اگرچہ اسلام کی طرف نسبت سے انکار نہیں مگر وہ فکر عقیدہ کے لحاظ سے اسلام کی علم بردار بھی نہیں۔ان میں سے اکثر

شدید نوعیت کے مسائل سے دوچار ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے خاندان سے بھی کٹ چکے ہیں اور مسلمانوں سے بھی۔

ماحول کا اختلاف

والدین مسلم ممالک سے نقل مکانی کر کے گئے ہیں ۔ جب کہ اولاد مغربی ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ والدین کا اصرار ہے کہ وہ اس مخصوص تربیتی انداز کو جس پر انہوں نے خود پرورش پائی ہے کہ مسلط کر کے رہیں گے۔ اسلام اور اس کے اصولوں سے ناواقفیت کے نتیجے میں اسلامی اصولوں اور اس کی اخلاقیات کو مختلف تاریخی و سماجی ماحول سے مربوط تقلیدی عادات و رسوم کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک ہی معاملے میں بیٹی اور بیٹے میں فرق کیا جاتا ہے۔ بیٹی پر تو اپنی سہیلیوں سے ملنے پر پابندی لگائی جاتی ہے اور بیٹے کو مرد و زن ہر ایک سے ملنے کی کھلی آزادی دی جاتی ہے خواہ وہ رات گئے تک گھر سے باہر کیوں نہ رہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جو مفاسد اور گمراہ کن آپ کو ترغیبات سے بھرا پڑا ہو یہ انداز تربیت نہایت مہلک ہے اور بچے ''دوہری شخصیت'' کے مالک بنتے ہیں۔ وہ خاندان اور گھر میں اپنے آپ کو دین دار اور پابند نظم و ضبط ظاہر کرتے ہیں مگر گھر سے باہر نکلتے ہی اخلاقی قدروں کو پامال کر دیتے ہیں۔

درحقیقت مسلم نوجوان اپنی ذاتی شناخت کے مسئلے سے دوچار ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو دو شناختوں میں بکھرا اور دو نسبتوں میں تقسیم پاتا ہے۔ جن میں مطابقت اس کے لئے مشکل ہوتی ہے ۔ ایک طرف وہ اس معاشرے سے نسبت رکھتا ہے جہاں وہ پروان چڑھتا ۔ دوسری طرف اس کا تعلق ایسے دین سے ہیں جسے یہ معاشرہ تسلیم نہیں کرتا۔

والدین کی لاپرواہی

مغربی ممالک میں مقیم مسلمان دوہری کیفیت کا شکار ہیں ۔ بعض والدین انتہائی ماڈرن اور جدید اذہان کے مالک ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جب یورپ میں ہی رہنا ہے تو کیوں نہ ان کی اولاد اس ماحول کو مکمل طور پر جذب کر لیں ۔ بچے ٹی وی دیکھتے ہیں کھیل کود کی مصروفیات ان سے چھین لی گئی ہیں۔ یوں دیار غیر میں یہ مسلمان بچے میڈیا اور ماحول سے متاثر ہو کر اپنا دینی ، ثقافتی تشخص کھو بیٹھتے ہیں۔

اس کے برعکس کچھ والدین اپنی اولاد کے ماحول کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں انہیں پرانی ڈگر پر چلاتے ہیں وہ مار مار کر کام کرواتے ہیں اور بچوں کی صلاحیتوں کا اندازہ نہیں لگاتے جس کی وجہ سے بچے خود اعتمادی کھو دیتے ہیں۔ ایسے والدین بچوں کو یورپی معاشرے کی کسی فکر، عادت اور ثقافت کو اپنانے کی اجازت نہیں دیتے خواہ وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ان تمام مسائل کا حل پاکستان واپس پر منحصر ہے۔ وہ نوجوان نسل جس نے اپنا بچپن اور جوانی کے

ابتدائی ایام مغرب میں گزارے ہوں ان کا وطن عزیز پاکستان میں واپس آکر اپنی تہذیب اور ثقافت کے ساتھ ساتھ قدیم خاندانی روایات اور ماحول سے ہم آہنگ اگر ناممکن نہیں ہوتی تو کم از کم مشکل ضرور ہو جاتی ہے۔جس کے نتیجے میں یہ نسل قدیم اور جدید کی کشمکش کا شکار ہو جاتی ہے۔ایک عرصہ تک آزاد ماحول میں پرورش پانے والی لڑکیاں اور لڑکے کے حدود و قیود کو برداشت نہیں کرتے۔

والدین کے اس رویے سے باہمی رابطہ معطل ہو جاتا ہے بچے خاموش رہتے ہیں اور اپنے اندر سے ابھرے والے خیالات کو ظاہر نہیں کرتے جب کہ باہمی رابطہ کی بنیاد ہی مکالمہ ہے۔کئی والدین اور سرپرست بچوں کو عجیب کش مکش میں ڈال دیتے ہیں ''واپس اپنے ملک جانے کی تیاری کرو اور وہیں اپنا مستقبل تعمیر کرو'' یوں کچھ بچے یوں سمجھتے ہیں کہ اب اس ملک میں پڑھائی کا کیا فائدہ؟ وہ سست اور کاہل ہو جاتے ہیں کچھ بچے بڑوں کے واپسی کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔یوں بچوں اور والدین میں باہمی تصادم ہو جاتا ہے۔والدین شرمندہ تعبیر نہ ہونے والے خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں کیونکہ اولاد کو مغربی ممالک کی شہریت مل چکی ہوتی ہے۔سن بلوغ کے بعد بالخصوص، اولاد نفرت اور علیحدگی کو اپنا لیتی ہے اور وہ کھلے دل سے تبادلہ خیالات سے باز رہتی ہے۔

مذہبی امتیازی سلوک

مغرب میں مذہب سے دوری نے خدا سے بھی دوری پیدا کر دی ہے۔اس لئے مغرب میں آباد مسلمان بھی بے شمار مذہبی مسائل کا شکار ہیں۔امریکہ میں مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش شروع سے ہی جاری رہی ہے۔اسلام کو جھوٹا مذہب قرار دیا گیا۔پھر یوں ہوا کہ لوباٹی، سپرنگ، ضیلڈ، والی نائے میں مسجدوں کو آتش زدگی کا نشانہ بنایا گیا۔نائن الیون کے حادثات نے مذہبی مسائل میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔امریکہ کی دوسری بڑی کمیونٹی مسلمانوں کے مذہب اسلام کو شکاگو میں قومی عبادت کے دن اسلام کو جھوٹا مذہب کہہ کر کیچڑ اچھالا گیا۔

ایمرسن ایک رسالے جیوئش منتھلی میں لکھتا ہے کہ بدقسمتی سے امریکہ میں موجود تمام اسلامی ریاستیں جو اپنے آپ کو مذہبی و ثقافتی حوالہ سے مسلمان ظاہر کرتی ہیں ان پر انقلابی بنیاد پرست عناصر و عوامل کا غلبہ ہے۔اسلامی بنیاد پرستوں کے روابط قاہرہ سے بروکلین اور غزہ سے واشنگٹن تک پھیلے ہوئے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام جھوٹا مذہب ہے یا سچا۔جہاد ایک ٹک ٹک کرتا ہوا ایٹم بم ہے جو معصوم لوگوں کی جان لے لے گا یا مسلمان اسلام کے نام پر ہر ناجائز عمل کرنے کو تیار ہے۔کیا مسلمان واقعی تذلیل آمیز سلوک کے حامل ہیں؟ کیا واقعی حالات کا تقاضا یہی ہے ان کے تعلیمی ویزوں کو بند کر دیا جائے۔ان پر معاشی پابندیاں لگائی جائیں۔

مغربی ممالک میں مسلمانوں کے مسائل کا حل

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مغرب اور غیر مسلم کے ذہن کے اندر یہ بات کیونکر پہنچی کہ مسلمان شدّت پسندی کا درس دیتے ہیں کیا آج کے مسلمان کے اندر تو وہ خامیاں نہیں کہ لوگ اسلام سے بدظن نظر آتے ہیں؟ وہ اسلام سے دور بھاگتے ہیں کیا ایسا تو نہیں کہ اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت ہیں؟ کیا ہمارے سفارت خانے تو نہیں؟ کیا غیر ایسا تو نہیں کہ ہم خود ہی مغرب سے دور ہونا چاہتے ہیں۔

ذیل میں ان تمام مسائل کے حل کے لئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں۔

مسلم شناخت اور معاشرے سے ہم آہنگی

پرانی نسل کے مسلمانوں کو اس حقیقت کا مکمل احساس ہونا چاہئے کہ انہیں اپنی نئی نسلوں سمیت یورپی ممالک میں ہی رہنا ہے۔ اگر وہ اس نظریے کو قبول نہیں کریں گے تو اپنے حقوق ضائع کریں گے اور اپنے فرائض میں کوتاہی کریں گے انہیں یہاں رہ کر یہاں کے معاشروں سے تصادم کی شدت کو کم کرنا ہے اور ان میں اس طرح گھل مل کر رہنا ہے کہ ان کی اپنی وحدت بھی برقرار رہے۔ اس مقصد کے لئے اسلامی تعلیمات سے استفادے کا طریق کار مقرر کرنا ہوگا اور متعلقہ معاشرے کیساتھ ہم آہنگی برقرار رکھنا ہوگی۔

اعتدال کی روش

یورپی معاشرے کے بارے میں فیصلہ کرنے میں ہمیں اعتدال و انصاف سے کام لینا ہوگا۔ ان کی ہر چیز کو خلاف اسلام نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ اس معاشرے میں انسانی فضا ہے۔ آزادی ہے قانون کی حکمرانی ہے اور ایسے راستے ہیں کہ اگر ہم ان سے استفادے کا طریقہ جان لیں تو اپنے بہت سے مصالح و مفادات حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے نوخیز مسلمانوں کو اپنے دین کی طرف نسبت میں بھی اعتماد اطمینان ملے گا۔ وہ اپنے معاشرے سے کٹیں گے نہ اپنے ماحول کے افراد سے قدرتی تفاعل سے دور ہوں گے۔ اس ایجابی ادغام سے مسلمانوں کے لئے معاشرے میں ایک مؤثر عنصر بننا ممکن ہوگا۔

نوجوانوں کی سرپرستی

نئی نسل کو جن سماجی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کا سامنا ہے ان میں اپنے بزرگوں کی سرپرستی اور قربت کے احساس سے دونوں نسلوں کے مابین خلا کم ہونے میں مدد ملے گی۔ انہیں اخلاقی تائید میسر ہوگی۔ جس سے وہ نہ صرف بطور مسلم شہری اپنے حقوق کا دفاع کر سکیں گے۔ اور مغربی رائے عامہ کے سامنے اپنے یورپی شہری ہونے میں کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں گے بلکہ وہ کامل باصلاحیت شہری کے طور پر بہبود عامہ کی دعوت بھی دے

سکیں گے۔

نوجوانوں کو درپیش مسائل میں عملی رہنمائی

نئی نسل کو کئی طرح کے دباؤ کا سامنا ہے۔ ایک دباؤ نسلی تفریق کا نظریہ ہے جس کی وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔ ایک دباؤ مادہ پرستانہ معاشرے کا مزاج بھی ہے۔ مسلم نوجوان بالعموم تفریحی ذرائع سے محروم رہتے ہیں تاکہ وہ حرام میں مبتلا نہ ہوں جس سے ان میں نفسیاتی تشنگی پیدا ہوتی ہے۔ لہذا نوجوانوں کی ضروریات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ انہیں اپنے مزاج وحالات کے مطابق کھلے دل کے ساتھ مذاکرات اور تبادلہ خیالات کو موقع فراہم کیا جائے۔ ان کے نیک دوست ہوں۔ پاکیزہ تفریحی ماحول میسر ہو، اور خاندان کے ساتھ مل کر سیر وتفریح کر سکیں۔ انہیں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ وہ حسن سلوک اور زبانی وعملی محبت کے محتاج ہیں۔ وہ اپنی بات پوری آزادی مگر احترام ساتھ پیش کر سکیں، اپنے حقوق کے بارے میں بات کر سکیں اور کسی سخت ردعمل کے خوف کے بغیر نامعلوم باتیں دریافت کر سکیں۔

اسلامی تنظیموں کا کردار

یہ تنہا والدین کی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں اور اسلامی تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دونسلوں کے مابین تیزی سے بڑھتے ہوئے فکری خلا کو کم کرنے کی کوشش کریں ورنہ نئی نسل مادی اغراض کا شکار ہو کر دین اسلام سے برگشتہ ہو جائے گی۔ یورپ میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے اختلافات ختم کر دیں اور مسلم بچوں پر توجہ کریں۔ ان کی دینی، ثقافتی اور تفریحی ضروریات کا ادراک کریں تاکہ وہ نفسیاتی طور پر متوازن ہوں اور اسلام کے قابل فخر سفیر بنیں۔ وہ والدین اور اولاد میں واسطے کا کردار ادا کریں۔

ان تنظیموں کو چاہیے کہ وہ غیر مسلم مفکرین کے اسلام کی تائید اور حمایت میں بیان کئے گئے اقوال ونظریات بھی پیش کریں۔ بطور مثال برطانیہ معروف فلسفی اور ڈرامہ نگار جارج برناڈ شاہ کہتا ہے: ''اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے سکتا ہے اور ہر نسل کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے، محمد ﷺ کو عیسائیت کا دشمن کہنا غلط ہے آپ ﷺ نوع انسان کے نجات دہندہ تھے آپ ﷺ ایک عظیم شخصیت تھے۔ (۲۴)

اسی طرح امریکی عالم (LOTHROP STODDARD) کا قول بھی توجہ کے قابل ہے لوتھر کہتا ہے کہ ''آج سے دوسال پہلے مسلمان تنزل کی انتہائی پستیوں میں گر چکے تھے۔ لیکن اب وہ پھر بیدار ہو رہے ہیں۔ یہ بیداری یورپ سے رابطہ قائم ہونے کا نتیجہ نہیں بلکہ اسلام کی اپنی توانائی کا ثمر ہے۔'' (۲۵)

اسلام سے روشناسی

امریکی مسلمان دنیا کے ایک ارب چالیس کروڑ مسلمانوں اور یورپ کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مغرب کو اسلام سے مکمل طور پر ناواقف کرانے کے لیے ہم نے اسلام کے ابدی وسنہری اصول مغرب کے سامنے پیش ہی نہیں کیئے۔

شکاگو کے علاقے میں امریکیوں کے شہری حقوق اور دفاع کی تنظیم کے صدر عبداللہ مچل نے کہا کہ بنیادی مسئلہ امریکی کمیونٹی میں مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں لاعلمی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو Out Sider اور دہشت گرد قرار دیا جا رہا ہے۔ آج مغربی میڈیا اور رائٹرز اسلام سے مکمل ناواقف ہیں۔

اسلام تو امن وآشتی کا درس ہے کہ جس میں محبت مساوات اور عدل وانصاف کا درس پایا جاتا ہے۔ کیا ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم نے ان سنہری تعلیمات سے ان کو متعارف کرایا؟ جہاں اسلامی تعلیمات سے روشناسی کی ذمہ داری پوری کی گئی تو وہاں اس کے نتیجے مین بہت سے میں مغربی باشندوں نے نہ صرف اسلام کے اصولوں کو سراہا بلکہ اسلام قبول بھی کیا۔ اسی کا ہی نتیجہ ہے کہ اینڈ ریو پرسن چلا چلا کر کہتا ہے کہ اسلام کا مقصد امن ہے تشدد نہیں۔ امریکہ میں جہاں خالصتاً پروپیگنڈہ ہے۔ اختتام رمضان کے موقع پر مسلم سفیروں کو دی گئی افطار پارٹی میں جب قرآن مجید کی آیت و جعلنکم شعو با وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ؐ(الحجرات:۱۳) کی تلاوت کی گئی تو امریکی صدر بل کلنٹن کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے کہ وہ آج تک اسلام کے ان ابدی اور سچے اصولوں سے بے خبر تھے اور اسلام کو دنیا وانسانیت کی تذلیل سمجھتے رہے ہیں۔

اسی حوالے سے یورپ میں آباد مسلمانوں کو اپنی اس نئی نسل کے اسلامی عقیدے کو محفوظ رکھنے کی سعی بھی کرنی ہوگی، جو یہاں عیسائی مدارس میں زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہی ہے، عموماً سادہ لوح والدین محض اس بات پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کر دیتے ہیں جب اسکول میں زیر تعلیم مسلمان بچوں کی تفریح طبع کے لئے اسکول کی جانب سے عید ملن پارٹی اہتمام کر دیا جاتا ہے، وہ اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس اسکول میں صرف سال میں ایک دفعہ عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا جاتا ہے تو اسی اسکول میں دیوالی، ہولی، کرسمس new year night اور دیگر مذاہب کے تہواروں کی تقاریب بھی منائی جاتی ہیں۔ ان میں ہمارے بچے بھی بھر پور حصہ لیتے ہیں، کیا اس سے بچوں کے ذہنوں میں بچپن ہی سے تقریب بین المذاہب کی فکر کو ابھارنے کی کوشش نہیں کہا جائے گا۔ اور پھر صرف ان مذاہب کے حوالے سے تقاریب کا انعقاد نہیں کیا جاتا بلکہ سال میں کئی دفعہ عیسائی مذہب کے حوالے سے مختلف تقاریب نہ صرف پورے زور وشور کیساتھ منعقد کی جاتی ہیں بلکہ سال میں کئی دفعہ عیسائی تہواروں کی مذہبی داستانوں کو پیوست کیا جاتا ہے۔

ان حالات میں والدین کی حیثیت سے کیا ہم نے اپنی بچوں پر ان غیر اسلامی تہواروں کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔اپریل کا مہینہ عیسائیت کے تہوار ایسٹر کے حوالے سے معروف ہے، کیا ہم نے کبھی ایسٹر کی حقیقت اور اس کے پس منظر سے اپنے بچوں کو آگاہ کیا ہے۔اگر جواب نفی میں ہے تو پھر ہمارے بچے ان مدارس سے فراغت کے بعد لبرل ذہنیت کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کے نزدیک تمام مذاہب کی حیثیت ایک جیسی ہو جاتی ہے، وہ محض اپنے والدین اور رشتہ داروں کو خوش کرنے کی غرض سے عید میں شامل تو ہو جاتے ہیں مگر ان میں اپنے دین کے لئے وہ وارفتگی اور دلچسپی نظر نہیں آتی جو ہمارے ایمان کا حصہ ہے تو اس میں ان معصوموں کا کیا قصور ہے۔قصوروار ہم ہیں، کیا ہم ﴿قوا انفسکم واھلیکم نارا﴾ (التحریم:۶) کے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کر رہے ہیں۔(۲۶)

والدین اور اولاد کے درمیان موثر باہمی رابطہ کی ضرورت:

یورپ میں آباد مسلم خاندانوں کی جدید وقدیم نسل کے مابین رابطے کے تو کئی ذرائع ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ "علمی رابطہ" سے استفادہ کیا جائے اور محض قدیم تقلیدی طریقوں پر ہی انحصار نہ کیا جائے۔اس لیے کہ نئی نسل فکری، علمی اور مہارتوں و ذرائع کی ترقی کے دور میں رہ رہی ہے۔موثر رابطے کے لیے درج ذیل امور کو خصوصی اہمیت دینا ہوگی۔

اسلام دین فطرت ہے۔اس کا اپنا ایک جداگانہ تشخص ہے۔اس کی معاشرت اور تہذیب وتمدن دوسری تمام تہذیبوں سے ممیّز وممتاز ہے۔شعائر اسلام کی اپنی ایک حیثیت ہے۔خوشی یا غم مذہبی تہوار ہے یا قومی اقوام مسلم کا اپنا ایک اسلامی طرز ہے۔امریکی کمیونٹی میں رہنے والے مسلمان مختلف قسم کے معاشرتی اور تہذیبی مسائل سے دوچار ہیں۔مسلم بچے ہسپتالوں میں پیدا ہوتے ہیں لیکن کفن و دفن میں بلدیاتی قواعد کے مطابق میت کو فوراہی زمین دوز فیونرل ہوم لایا جاتا ہے۔سوگواران کے لیے ہال کو آراستہ کیا جاتا ہے۔مرنے والے کے چہرے کے اوپر میک اپ کیا جاتا ہے تاکہ لواحقین صدمہ سے دوچار نہ ہوں۔میت کو سیاہ لمبی گاڑی میں رکھ کر گاڑیوں کے جلوس کی صورت میں لایا جاتا ہے۔جس کے سامنے پولیس کی گاڑی دن کو بھی ہیڈ لائٹس آن کیے چلتی ہے۔

طلاق، نان ونفقہ، طلاق کی صورت میں بچوں کی سرپرداری اور اسقاط حمل کے امریکی قوانین اسلامی قوانین سے یکسر مختلف ہیں لیکن امریکی مسلمانوں نے بہ امر مجبوری اسے اپنایا ہوا ہے۔سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ "انہوں نے امریکہ میں ایک میت کو دیکھا جس کو تابوت میں رکھا ہوا تھا۔ٹائی لگی ہوئی تھی اور میک اپ کیا ہوا تھا۔ عیسائی بھی آتے اور میت کو کس (kiss) کر رہے تھے(۲۷)

اسلام میں مسلم عورت کی اہل کتاب سے شادی جائز نہیں۔اس لیے وہاں مسلم مقیم آبادی کو مسائل کا سامنا

ہوتا ہے اور وہ اپنی بیٹیوں کے دلہے اپنے ملک سے ہی درآمد کرتے ہیں۔ نتیجہ دو مختلف ممالک میں پرورش پانے والے افراد کی یہ شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔ امریکہ میں نائن الیون سے قبل ہی مسلم ثقافت معاشرت پر کیچڑ اچھالا گیا۔ امریکہ میں بننے والی ایک انگلش فلم میں عرب لباس میں ملبوس اشخاص کو نازیبا حرکات سے دکھا کر عربی تہذیب کا مذاق اڑایا گیا اور اس بات کی مکمل کوشش کی گئی کہ مسلم تہذیب کو مغربی تہذیب میں ختم کیا جائے۔ ڈاکٹر اسرار لکھتے ہیں کہ مغرب اسلام کو بطور مذہب قبول کرنے کو تیار ہے۔ بطور تہذیب نہیں (۲۸)

عملی اسلام

وقت کی اہم ترین ضرورت مسلمان عالم کے لیے ہے کہ وہ اپنی زندگیوں میں مکمل طور پر اسلام کا نفاذ کریں تاکہ وہ دوسروں کے لیے مثال بنے ۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی شکاگو میں امریکی تعلیم یافتہ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندوی نے کہا'' کہ اپنے اندر ایمان پیدا کرو اپنے اندر وہ حرارت پیدا کریں جس کو مشینوں کے دھوؤں نے سلب کر دیا ہے۔ اپنی روح کو جلا دو۔ اپنی زندگی کا مقصد صحیح کرو۔ قرآن و سیرت کو پڑھو اور اس کے بعد امریکیوں کو دین فطرت کا پیغام دو(۲۹)۔

دین کی تبلیغ کا کام

ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ہم دین اسلام کی تبلیغ کی ذمہ داری بطریق احسن نبھائیں اور اس کی تعلیمات کو عام کریں۔ سید ابوالحسن ندوی نے کہا کہ آپ لوگ یہ بات یاد رکھیں کہ مسلمان عرب سوداگر جب مشرق پھر ملیشیا یا بحر ہند پہنچے تو ان کی تبلیغ سے جزیروں کے جزیرے مسلمان ہوئے (۳۰)

سید ابوالحسن علی بدوی نے ۶ جون ۱۹۷۷ کو ہارورڈ یونیورسٹی کے ڈیوٹی کالج میں طلباء اور طالبات سے خطاب کرتے ہوئے کہا'' آپ اپنے وجود اور طرز زندگی سے ثابت کریں کہ آپ کے پاس مغرب کو دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔ اگر آپ یونیورسٹی کے طالب علم و ٹیچر یا ریسرچ کے طالب علم ہیں۔ آپ کا واسطہ جن لوگوں سے پڑتا ہے۔ آپ انہیں اسلام کی صداقت پیش کریں یہاں پر رہنے والوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے اسلام کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ آپ ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کریں جو دوسروں کے لیے باعث کشش ہو(۳۱)۔ انٹرنیٹ، جدید میڈیا کو ہم اشاعت اسلام کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

مقامی سیاست میں بھرپور کردار

مسلمانوں کو جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ اتحاد ہے۔ غیر مسلم ممالک میں آباد و تمام مسلمانوں کو ایک قومیت مسلم میں متحدہ ہونا پڑے گا۔ مسلمان امریکہ میں دوسری بڑی کمیونٹی ہیں۔ یہودیوں نے امریکی معاشرہ میں

اہم مقام حاصل کرلیا ہے۔ مسلم کمیونٹی کو امریکہ کی سیاست میں حصہ لینا ہوگا۔ مضبوط سیاسی تنظیمیں بنا کر دونوں امریکی پارٹیوں ڈیموکریٹک اور ری پبلیکن پارٹی میں سرگرم عمل ہونا چاہیے اور حکومتی تعلقات استوار کرنا ہوں گے اور جب وہ علوم وفنون کے میدان میں آئیں گے تو امریکی سیاست ومعیشت سے اور ثقافت پر اسلام کے تاثرات نظر آئیں گے۔

سفارت خانوں کی ذمہ داری

سفارت خانے بیرون ملک میں اپنے نمائندہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری وہاں پر موجود مسلم کمیونٹی کے مسائل کا حل بھی ہے۔ ایک تو وہ اپنے مسلم نوجوانوں کی سرگرمی پر نظر رکھیں اور دوسرا یہ کہ اپنے ملک کی تہذیب وتمدن اور ثقافت سے ممالک کو روشناس کرائیں۔ ان کو اس بات کا احساس دلایا جائے کہ اسلام کے ابدی وسنہری اصول ان کی زندگیوں میں کتنا بڑا انقلاب لا سکتے ہیں۔ آنحضور کا سفارتی نظام ان لوگوں کو زندگیوں کا مشعل راہ سیرت مطہرہ کی روشنی میں جب یہ سفیر اسلام کے سفیر بن جائیں گے تو اقوام عالم کے اندر چارسو اسلام اور اس کی ثقافت کے رنگ نظر آئیں گے۔

مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی

مسائل کا سب اہم ترین حل مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی پر نظر ثانی ہے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کوئی بھی ملک دوسرے ممالک سے تعلقات استوار کیے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ یہ اس کی معیشت، زراعت، معاشرت اور دفاع کی مضبوطی صرف دوسرے ممالک سے اچھے اور دوستانہ تعلقات کی بناء پر ہے۔ مسلم ممالک کی خارجہ پالیسی میں ان مسلم اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کو اہم مقام دیا جانا چاہیے۔ اگر مسلم ممالک اپنے وسائل اور افرادی قوت کے ''کارڈ'' کو صحیح طور پر استعمال کرسکیں تو لازماً دوسرے ممالک ان کی بات سننے پر مجبور ہوں گے۔

عالم اسلام کو اعلیٰ قیادت کی ضرورت

عالم اسلام کو اس وقت اعلیٰ اور حوصلہ مند قیادت کی ضرورت ہے جو مغربی تہذیب کا جرات، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کر سکے اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں میں مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک راستہ پیدا کر سکے۔ اسلام کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر کے غلط کو غلط کہے اور وہ اپنی ذہانت سے مشرق ومغرب میں ایسی فکر پیدا کرے کہ جس کا احترام اور اس کی تقلید کرنے پر خود مغرب ہی مجبور ہو جائے۔

اس سلسلہ میں اسلامی کانفرنس تنظیم کے چیئرمین اور ملائشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر داتو سر حاجی عبداللہ احمد بدنوی کا امریکہ کو جرأت مندانہ دوٹوک بیان قابل ستائش ہے وہ کہتے ہیں: ''عالم اسلام ایران پر امریکی حملے کی مخالفت کرے گا اور

عراق والی صورتحال دھرانے کی اجازت نہیں دی جائے گی''(۳۲)

انہوں نے کچھ عرصہ پہلے بھی ایسا ایک جراتمندانہ بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ''صدر بش کو اسلام اور مسلم دشمن رویہ ترک کردینا چاہیے۔سونامی کی زد میں آنے والے مسلمان ممالک کی مدد سے امریکہ مسلمانوں میں اپنی ساکھ کی بحالی کی امید نہ رکھے،بش صرف سوال کا جواب دے کہ صرف مسلم ممالک ہی اس کے نشانے پر کیوں ہیں؟ کیا اس نے اسلام اور مسلمانوں کونرم چارہ سمجھ لیا ہے''(۳۳)

دفاعی استحکام

آج ہم کرہ ارض کے ان ۱۵۷ اسلامی ممالک پر نظر دوڑائیں تو کوئی بھی دفاعی لحاظ سے مستحکم نظر نہیں آتا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلحہ کی طاقت ہی وہ چیز ہے کہ دشمن کسی ملک کی جانب اپنی پیش قدمی سے قبل ہزار بار سوچتا ہے۔

امت مسلم کو سائنس،ٹیکنالوجی اور جدید علوم سے وابستہ ہونا چاہیے اور یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔مسلم ممالک کا دفاعی اور معاشی پر مضبوط ہونے سے دیار غیر میں ان ممالک سے تعلق رکھنے والے کی زندگیوں پر خوشگوار اثر پڑے گا۔

مسلم بلاک کا قیام

شاہ فیصل وہ انسان تھے کہ جنہوں نے مسلم بلاک کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا اور کہا کہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلمان ممالک مغربی بلاک کی طرز پر اپنا بلاک بنائیں تا کہ اپنے حقوق کا مکمل طور پر دفاع کیا جاسکے۔ایک دوسرے میں صنعت وتجارت کو فروغ دیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر اسلامی بلاک نہ بنا تو امت مسلم فی زمانہ حال جیسے مسائل سے دوچار ہوتی رہے گی(۳۴)اسی وجہ سے مسلم اقلیتوں کی کہیں بھی شنوائی نہیں ہوتی اوران کا مقدرزبوں حالی ہی ہے۔

علماء کرام کی ذمہ داریاں

اس وقت عالم اسلام میں علماء کی اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے۔یہ ذمہ داری ہر زمانے میں زیادہ رہی ہے۔لیکن اس زمانے میں وہ خاص طور پر عظیم بن گئی ہے۔صحیح رہنمائی کریں۔تحریک دعوت اور جدوجہد کو سطحیت سے بچائیں اوران کے بارے میں غلط تصور قائم مت ہونے دیں۔قرآن مجید کی اس آیت ﴿**شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولو العلم قائما بالقسط**﴾(آل عمران :۱۸)کے عملی مصداق بن کر اسلام کی اصلی اوربنیادی تعلیمات کو پھیلائیں۔غیرمسلم معاشرے میں بسنے والے علماء کی یہ ذمہ داری دوچند ہوجاتی ہے کہ ان

معاشروں کی روایات کا پاس کرتے ہوئے اپنے لوگوں کی دینی راہنمائی کریں۔

مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ:

موجودہ دور میں مسلمانوں اور اسلام کے نام لیواؤں کے لیے سخت آزمائش کا دور ہے، اس دور میں کلمہ حق کا کہنا اپنے آپ کو تختہ دار پر لے جانے کے مترادف سمجھا جارہا ہے، اقوام عالم مسلمانوں پر اپنی مرضی کا اسلام نافذ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، اسلام اور مسلمانوں کو تہذیب وتمدن سے عاری دین اور قوم کے نام سے پکار جارہا ہے، ان حالات میں مایوسی اور شکستگی اسلام کی فطرت نہیں، بلکہ یہ وہ حق ہے جو خود بخود بلند ہونا جانتا ہے، یہ کسی کا محتاج نہیں جو اس کلمہ کو بلند کرے۔

نیویارک میں ۱۱ستمبر کو ہونے والے واقعات اپنی جگہ قابل مذمت اور انسانیت کی تذلیل کا باعث تو ضرور ہیں مگر ان واقعات کا ردعمل جس انداز میں امریکہ کی جانب سے سامنے آیا ہے گویا کہ تاریخ نے نئی کروٹ لی ہے بظاہر زوال کے آثار نمایاں ہیں، ہر جانب سے شکست وریخت کی خبروں نے دردمند دلوں کو غم ورنج سے دوچار کررکھا ہے، مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ مغربی دنیا میں آباد تمام افراد اس سوچ کے حامل ہیں بلکہ ایک واضح اکثریت موجود ردعمل کو ایک غلط اقدام تصور کرتی ہے، چنانچہ ایک خبر کے مطابق ان دنوں امریکی طلبہ میں اسلام، عربی زبان اور مشرق وسطیٰ کے حوالے سے مطالعے کا شوق اپنی حدیں پھلانگ چکا ہے، انگریزی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کی فروخت ماضی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے نوے فی صد بڑھ چکی ہے، خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کی حقانیت کو جاننے کے لیے بے چین نظر آرہا ہے۔ (۳۵)

برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد کے اعتبار سے کئی ایک مسلم دینی اور سماجی جماعتیں بھی قائم ہوچکی ہیں۔ جن میں سے کثر و بیشتر برصغیر سے آنے والے مسلمانوں کی شب وروز کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ان جماعتوں اور تنظیموں میں چند ایک ملکی سطح کی حیثیت رکھتی ہیں اور اکثر کی حیثیت ایک مقامی ادارے کی سی ہے جو مقامی طور پر مسلمانوں کی دینی اور تعلیمی ضروریات کی تکمیل میں کوشاں ہیں (۳۶) ان کوششوں کے نتیجے میں ہر سال سینکڑوں غیر مسلم اسلام قبول کررہے ہیں۔ (۳۷)

یورپ کے بعض ملکوں خصوصاً آسٹریا، جرمنی، ڈنمارک اور سویڈن میں اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اور آسٹریلیا میں یوگوسلاوی اور البانوی مسلمان بھی کافی تعداد میں ہیں اور انہوں نے ہر جگہ اپنی مسجدیں قائم کررکھی ہیں۔

نومسلم سوچ سمجھ کر اور اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور یہ نومسلم اپنے عمل اور کردار کے لحاظ سے روایتی اور خاندانی مسلمانوں سے بہتر ہیں لیکن یہ تقریباً ہر جگہ مسلمانوں کی عام سرگرمیوں سے الگ رہتے

ہیں لیکن اب انہوں نے کچھ عرصہ سے زیادہ فعال کردار ادا کرنا شروع کردیا ہے۔ ان نومسلموں کے خیالات وافکار کو جو اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان ہوئے بطور مثال دیگر غیر مسلموں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں Muslims and the West. کا اقتباس ملاحظہ ہو:

Some orientalists became muslims through their study of Islam . The Frenchmen Rene Guenon and Vincent Mansour Monteil, the Swiss Frithjof Schuon and Titus (Ibrahim) Burckhardt, the Hungarian Abdul Karim Germanus , the British Martin Lings and the American Thomas Irving arebut a few examples of Orientalists of the first rank who first studied , then embraced and served, Islam(38).

انہی کوششوں سے اس وقت غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ان نومسلموں کی تعداد، ریاستہائے متحدہ کے افریقی باشندوں کے علاوہ کسی بھی ملک میں بہت زیادہ نہیں، ایشیا میں جاپان، کوریا اور سنگاپور میں گزشتہ ۳۵ تا پچاس سال کی مدت میں بڑی تیزی سے اضافہ رہا ہے۔ جاپان میں جاپانی مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ اور جنوبی کوریا میں انیس ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔ سنگاپور میں کئی ہزار چینی اب تک مسلمان ہو چکے ہیں۔ جاپان، کوریا اور سنگاپور کے یہ تمام نومسلم اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں گرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔

یورپ میں بھی جاپان اور کوریا کی طرح تعلیم یافتہ ذاتی مطالعہ کے نتیجے میں مسلمان ہو رہا ہے۔ برطانیہ میں نومسلموں کی تعداد چار ہزار، فرانس میں آٹھ ہزار، جرمنی میں بارہ سو، سوئٹزرلینڈ میں تین ہزار، ڈنمارک میں تین ہزار، اٹلی میں ایک ہزار اور اٹلی میں ایک ہزار اور اسپین میں پانچ سو ہے۔

فرانس اور سوئٹزرلینڈ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ تصوف کے مطالعہ سے اسلام کی طرف آیا ہے اور ان میں رینیگینو Rene Guenon جنکا اسلامی نام عبدالواحد یحییٰ ہے اور راجر جرودی فلسفی اور مصنف کی حیثیت سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آسٹریا کے نومسلموں میں محمد اسد، ہنگری کے نومسلموں میں عبد الکریم جرمانوس، انگلستان کے نومسلموں میں محمد مارماڈیوک پکھتال اور امریکی سفید فاموں میں ٹی بی اورنگ کی علمی اور دینی خدمات بہت اہم ہیں۔ نومسلم خواتین میں شاید سب سے ممتاز نام جرمن خاتون فاطمہ ہیرن کا ہے جنہوں نے مولانا مودودیؒ کے رسالہ دینیات کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ (۳۹)۔

امریکہ کے نومسلموں میں سب سے بڑی تعداد افریقی نژاد باشندوں کی ہے۔ ان کی اکثریت ایلجاہ محمد متوفی ۱۹۷۵ء کے پیروؤں پر مشتمل ہے۔ ان کی تعداد دس لاکھ سے بیس لاکھ تک بیان کی جاتی ہے۔ ایلجاہ محمد اسلام کا نام لیتے تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے واقف نہیں تھے جس کی وجہ سے ان کے خیالات گمراہ کن تھے سب سے پہلے ان کے نہایت سرگرم رہنما اور پیر ملک شہباز مرحوم جن کا نام مالکم ایکس تھا ان کے خلاف بغاوت کی اور افریقی مسلمانوں کو صحیح اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ اب ایلجاہ محمد کے صاحبزادے امام وارث دین محمد اپنے والد کے جانشین ہیں۔ اب ان کی رہنمائی میں ایلجاہ محمد کے پیرو صحیح عقائد کی طرف آگئے ہیں۔ امام وارث دین محمد اپنے خطبوں اور تقریروں کے ذریعے افریقی مسلمانوں کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے واقف کرانے کی پرزور مہم شروع کیے ہوئے ہیں اور ان کا ہفت روزہ اخبار ''امریکن مسلم جرنل'' ان کی تعلیمات عام کر رہا ہے۔

وارث دین محمد اپنی تحریک کو امریکن مسلم مشن کہتے ہیں۔ یہ افریقی مسلمان اخلاق و کردار کے لحاظ سے ان کالے مسلمانوں سے بہت بہتر ہیں جو مسیحی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے امریکہ کے چپے چپے میں مسجدوں کا جال بچھا دیا ہے۔ اور مدرسے بھی قائم کر رہے ہیں۔ اب تک یہ افریقی مسلمان امریکہ میں باہر سے آنے والے مسلمانوں سے بے تعلق تھے لیکن اب ان دونوں گروہوں کے درمیان تعاون اور اشتراک شروع ہوگیا ہے۔ (۴۰)

امریکہ کے افریقی مسلمانوں میں کم از کم ۷۵ ہزار مسلمان ایسے بھی ہیں جن کا تعلق امریکن مشن سے نہیں اور جو غیر ملکی مسلمانوں کی طرح حنفی اور شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب بھی دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

افریقہ، یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں کی آبادی چونکہ مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی زبانیں بھی مختلف ہیں اس لئے ان کے درمیان رابطہ وتعاون کی کمی ہے۔ ان کی علیحدہ علیحدہ تنظیمیں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کم ہی کام کرتی ہیں۔ تمام مسلمانوں کی مشترکہ اور متحدہ آواز نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکومتوں پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی یہ تنظیمیں چونکہ اپنے اپنے حلقوں میں اور اپنی اپنی زبانوں میں کام کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے ذریعے مقامی باشندوں تک اسلام کی آواز نہیں پہنچتی۔ بہر حال کچھ عرصے سے مسلمان اس کمی کو محسوس کرنے لگے ہیں اور مختلف ملکوں میں ایسی تنظیمیں قائم ہونا شروع ہوگئی ہیں جو تمام مسلمانوں کی نمائندگی کر سکیں۔ مشرقی افریقہ میں مشرقی افریقہ کی مسلم ویلفیئر سوسائٹی، برطانیہ میں مسلمان تنظیموں کی یونین UMI اور طلبہ کی اسلامی مجالس کی فیڈریشن FOSIS امریکہ میں مسلمان طلبہ کی ایسوسی ایشن، ایم ایس اے جن کا نام اب اسلامک یونین کر دیا گیا ہے اور مسلمان انجمنوں کا وفاق یا فیڈریشن ایسی ہی تنظیمیں ہیں۔ جرمنی میں بھی حال ہی

میں ترک انجمنوں کا وفاق قائم ہوا ہے اور اب جرمنی کے تمام مسلمانوں پر مشتمل کنفیڈریشن آف اسلامک کمیونٹیز قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ان کے علاوہ پورے یورپ کے لیے ایک اسلامی کونسل برائے یورپ بھی قائم کی گئی ہے جس کا صدر دفتر لندن میں ہے اور جس میں یورپ کے تما ملکوں کے مسلمانوں کی نمائندگی دی گئی ہے۔

رابطہ عالم اسلامی ، مکہ اور اس کی علاقائی شاخیں اور ان کے زیر اہتمام ہر ملک اور مختلف جغرافیائی خطوں میں مجالس برائے مساجد کا قیام بھی مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں اہم کردار ادا کررہا ہے۔

غیر ملکی مسلمان اقلیتیں اپنے اور معاشی سرگرمیوں کے لحاظ سے مختلف طبقوں سے تعلق رکھتی ہیں ۔مشرقی افریقہ کے ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان یا تو تجارت پیشہ ہیں یا اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہیں۔جرمنی ،فرانس ، برطانیہ، ہالینڈ بلجیئم ،آسٹریا، ناروے، ڈنمارک ، اسپین اور اٹلی میں کام کرنے والوں کی اکثریت مزدور پیشہ ہے،لیکن برطانیہ اور بعض ملکوں میں ایک خاصی تعداد اعلی تعلیم یافتہ اور پیشہ ورانہ مہارت رکھتے ہیں ۔ جنوبی امریکہ میں آباد عرب عام طور پر متوسط یا غریب مزدور پیشہ ہیں لیکن ان عربوں میں ایک اچھی خاصی تعداد خاص طور پر برازیل مین اور پیورٹو ریکو میں دولت مند بھی ہے۔

کچھ عرصہ قبل ہالینڈ کے شہر روٹرڈیم میں مختلف اسلامی شخصیات کی موجودگی میں ایک عظیم الشان مسجد کا قیام عمل لایا گیا اور اس کی تکمیل پر تقریباً ۴ ملین ڈالر کی لاگت آئی،مسجد میں بیک وقت ایک ہزار مسلمان مردوں کے علاوہ پہلی منزل پر سینکڑوں خواتین بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔اس کے علاوہ مسجد ہی کے ساتھ لیکچر ہال ، کیفے ٹیریا اور کار پارک بھی موجود ہے۔

واضح رہے کہ اس وقت سارے ہالینڈ میں سات لاکھ مسلمان آباد ہیں جن کی ۴۰۰ سے زائد مساجد ہیں ، ساٹھ کی دھائی میں اس ملک میں شمال افریقہ اور مشرق وسطی سے مسلمانوں کے مغربی طرز زندگی کا اختیار کرنا انتہائی مشکل امر ہو چکا تھا، جہاں اسلامی تعلیم بالکل ناپید تھی ، چنانچہ اپنی ذاتی کوششوں سے مقامی مسلمانوں نے یہاں تیس سے زائد مدارس کے لئے جبکہ یہ تعداد بھی مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کے لئے انتہائی ناکافی ہے۔

مدارس کے علاوہ تعلیمی اور اجتماعی خدمات کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کی غرض سے مختلف اسلامی اداروں کا قیام بھی یہاں عمل میں لایا چکا ہے۔(۴۱)

حرف آخر

اس وقت عالمی سطح پر مغرب کے ترقی یافتہ ممالک کا نمائندہ امریکہ ہے۔حالات کی تلخی کو جانتے ہوئے

اپنی تہذیبی کشتی کو اسلامی کے نظریاتی حملوں سے بچانے میں مصروف ہے۔ اس لیے ہر وہ چیز کہ جس سے اسلام کی خوشبو آتی ہے یا مسلمان کا نام آتا ہے وہ مغرب کے نزدیک وہ ایک مستقل خطرہ ہے۔ وہ ان کا مخالف ہے چنانچہ ان کی پالیسی ہے کہ انہیں اتنا مفلوج کر دیا جائے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے بھی نہ ہو سکیں۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں تاہم پہلے مرحلہ میں اسلام کے حوالہ سے مغربی دنیا کی مخالفت کا جائزہ لیا جائے۔ ان کا علمی انداز میں جواب تیار کر کے حکمت کے ساتھ ان تک پہنچایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اسلام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے اس میں امن و سلامتی کا درس ہے۔ یہی شیریں کا وہ منبع ہے جس کی انسانیت کو اس درد میں تلاش ہے جس کے لیے ان ممالک میں بسنے والے مسلمان بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں اور اپنے عمل و کردار سے ایک امن والے اسلام کی دعوت ان تک پہنچا سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کوششوں سے ان کی اسلام دشمنی اسلام دوستی میں بدل جائے اور علامہ اقبال کا یہ قول پھر سچ ثابت ہو جائے۔

؎ مل گئے پاسباں کعبے کو صنم خانے سے

مقالہ نگار Muslims and thw West کے مصنفین کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ضروری سمجھتا ہے کہ اس تجویز سے اہل علم بھی آگاہ ہوں۔

An average educated westerner in search of genuine Islam still finds it impossible to have access to sources which can tell him or her what it is all about. Most try to go directly to the Quran and after struggling with this or that translation for a while, come back emply handed.

There is work to be done in removing certain prejudices toward Islam which forestal any serious effort by Westerners to understand the religion of one quarter of humanity. Muslim response to the questions of polygamy, status of women, terrorism and other related issues has not answered these concerns adequately. There is no need for the apologetic literature so characteristic of an ingrained inferiority complex. Instead, what is needed is a learned discourse on these issues by well-qualified Muslims in a language which comtemporary Westerners can understand (42).

There is an urgent need for the estalishment of institutions, both in the west and in the Muslim world, which have religious scholars, natural and social scientists, people trainedin humanities, artists and architects, computer scientists, experts in information technology and other branches of science. Such institutions will produce a generation of scholars who will be able to address issues most likely to cause a clash in the next century between Muslims and the West and help to avert it (43)

حوالہ جات

۱۔ ماہنامہ صراطِ مستقیم، برمنگھم، فروری ۲۰۰۲ء، ص ۶۔

۲۔ ماہنامہ صراطِ مستقیم، برمنگھم، جلد ۱۶، شمارہ نمبر ۱، ۱۹۹۴ء/ ۱۴۱۴ھ، ص ۳۶۔۳۷۔

۳۔ ڈاکٹر کتانی، یورپ اور امریکہ کے مسلمان، بحوالہ ثروت صولت، دنیا میں مسلم اقلیتیں (دائرہ معارف اسلامی کراچی، اشاعت اوّل ۱۹۹۰ء) ۱/۱۸

۴۔ ایضاً ۔ ۱/ ۱۸

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ اخبار جہاں، ۲۳ دسمبر ۲۰۰۱ء

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ حکیم محمد سعید، جرمنی نامہ (مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۲۱۵۔۲۱۷۔

۱۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۶ء) ص ۴۵

13- Ahmad, Akbar, S, Discovering Islam (Routledge & Kegan Paul London and New York, 1988)P.187

۱۴۔ شیخ محمد علی، اسلام اور افکار نو (اسلامک بک کارپوریشن، کراچی ۱۹۸۷ء) ص: ۴۰۔

۱۵۔ حافظ انجینئر ذوالفقار احمد نقشبندی، اسلام اور مغربی معاشرہ (دارالمطالعہ حاصل پور شہر، بہاولپور) (س، ن) ص

16- Directory of Cultural organizations and institutions in Asia and Pacific (Asian Culture Centre for unescom Tokyo, Japan 1982)

۱۷۔ ڈاکٹر خالد علوی، تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج (ماہنامہ افکارِ معلم، لاہور اگست ۲۰۰۴ء) ص ۔ ۳۷۔

۱۸۔ صراطِ مستقیم مارچ ۲۰۰۲ء، ص ۳۰۔

۱۹۔ روزنامہ ''جنگ'' و ''نوائے وقت'' ۱۷ فروری ۲۰۰۵ء

۲۰۔ ہفت روزہ اخبار جہاں، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۷۔۲۳

۲۱۔ فضلِ کریم عاصم تحریک اہل حدیث یورپ میں (نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۷ء)

۲۲۔ صراطِ مستقیم، اگست ۲۰۰۱ء، ص ۵۔۶

۲۳۔ ہفت روزہ اخبارِ جہاں، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۱۷۔۲۳

۲۴۔ غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم (علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۱۲۴،

۲۵۔ غلام جیلانی برق، الحاد مغرب اور ہم ص ۱۲۴ بحوالہ گلوریز آف اسلام ص ۲۱۰

۲۶۔ صراطِ مستقیم برمنگھم، مارچ ۲۰۰۱ء، ص ۴

۲۷۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں (مجلس نشریات اسلام کراچی) ص ۳۔

۲۸۔ ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور جون ۲۰۰۳ء، ص: ۹۵

۲۹۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں

۳۰۔ سید ابوالحسن علی ندوی، نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں (مجلس نشریات اسلام کراچی) ص ۹۶۔

۳۱۔ نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں، ص ۹۶

۳۲۔ عرفان صدیقی، ہمیں معاف ہی رکھو (روزنامہ نوائے وقت، نقش خیال) ۱۹ فروری ۲۰۰۵ء

۳۳۔ عرفان صدیقی، ہمیں معاف ہی رکھو (روزنامہ نوائے وقت، نقش خیال) ۱۹ فروری ۲۰۰۵ء

۳۴۔ ہفت روزہ ضرب مومن، اپریل ۲۰۰۳، ص ۴۔۱۰

۳۵۔ صراطِ مستقیم، دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۵

۳۶۔ برطانوی مسلمانوں کا متحدہ پلیٹ فارم خوش آئند امر ہے" صراطِ مستقیم، مارچ ۱۹۹۸ء

۳۷۔ صراطِ مستقیم، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۱۸

38- Zafar Ishaq Ansari, John L, Esposito, Muslims and the West Encounter and Dialogue (Islamic Research Institute, International Islamic University Islamabad, Ist Edition, 2001)p30-31.

۳۹۔ ثروت صولت، دنیا میں مسلم اقلیتیں ۱/ ۲۳۔

۴۰۔ ثروت صولت، دنیا میں مسلم اقلیتیں ۱/ ۲۳۔

۴۱۔ صراطِ مستقیم، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۱،

42- Muslims and the West Encounter and Dialogue, P272.

43- Muslims and the West Encounter and Dialogue, P273.

☆......☆......☆